سکھ قوم اور اس کے بانی کی نسبت مسلمانوں کی محبت آمیز رائے

جس کو ادیب المشائخ مصور فطرۃ

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحبؒ نے تحریر فرمایا تھا

ایڈیٹر

نانک سنگھ نشتر

ایم۔اے (عثمانیہ)

انٹرنیشنل سکھ سنٹر فار انٹر فیتھ ریلیشنس

'سنت بھون' 15-3-137 گولی گوڑہ چمن۔ حیدرآباد 500012

سکھ قوم اور اس کے بانی کی نسبت

مسلمانوں کی محبت آمیز رائے

جس کو ادیب المشائخ مصور فطرۃ

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحبؒ نے تحریر فرمایا تھا

With Regards to

Sardar Kulvinder Singh Ji

[signature] 17/10/14

ایڈیٹر

نانک سنگھ نشتر

ایم۔اے (عثمانیہ)

انٹرنیشنل سکھ سنٹر فار انٹر فیتھ ریلیشنس

'سنت بھون' 15-3-137 گولی گوڑہ چمن۔ حیدرآباد500012

پہلا ایڈیشن : 27 / دسمبر 1922ء۔خواجہ پریس۔بٹالہ۔پنجاب

دوسرا ایڈیشن: عیدالفطر 2014ء

تعداد : 1000

ہدیہ : بیس روپئے (-/20 ₹)

کمپیوٹر کتابت: SAM کمپیوٹرس، حیدرآباد
فون: 09246543027
ویب سائٹ samurdu.com
ای میل: samurdu@yahoo.com
m_basharath@yahoo.com

طباعت : SAM کمپیوٹرس اینڈ پرنٹنگ پریس، حیدرآباد۔انڈیا

ملنے کا پتہ:

انٹرنیشنل سکھ سنٹر فار انٹر فیتھ ریلیشنس

'سنت بھون' 15-3-137 ، گولی گوڑہ چمن، حیدرآباد۔500012

Mobile : 09848 353105

E-mails: nanknishter@gmail.com
nanaknishter84@gmail.com

فہرست

☆......○......☆

کچھ اپنی بات

حضرت شیخ خواجہ سید محمد نظام الدینؒ (1238-1325) جو حضرت نظام الدین اولیاء سے مشہور و معروف ہیں ان کی درگاہ بستی حضرت نظام الدین دہلی میں واقع ہے۔ یہ چشتی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ (جن کا کلام شری گرو گرنتھ صاحب میں اور 6 دیگر مسلمان بزرگوں کے کلام کے ساتھ شامل ہے) حضرت بختیار کاکیؒ اور حضرت معین الدین چشتیؒ وغیرہ آپ کے پیشرو تھے۔ آپ کے مریدوں میں امیر خسرو (1253-1325) قابل ذکر ہے۔ خلجی بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ نے بارہا کوشش کی کہ یہ ان کے دربار میں حاضری بھرا کریں ان کے انکار پر باشاہ نے حضرت کو زبردستی دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا اور بے انتہا رسوا کیا۔ آج اس مغرور بادشاہ کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن اس فقیر کی درگاہ پر روزانہ ہزاروں معتقدین زیارت کے لیے دور دراز کے مقامات سے آتے ہیں۔ دہلی کا ایک بڑا ریلوے اسٹیشن ان کے نام سے منسوب ہے اور کئی ریل گاڑیاں ان کے نام پہ چلتی ہیں۔۔

اس درگاہ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی مرحوم (1878-1955) کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے ہمشیرہ کی اولاد سے تھے۔ آپ اردو اور فارسی کے عظیم ادیب، انشاء پرداز اور صوفی تھے۔ جنہوں نے تقریباً پانچ سو مضامین اور کتابیں لکھیں جن میں سے ایک اصل حالت میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

مجھے اپنے ریسرچ کے سلسلے میں خدا بخش لائبریری پٹنہ جانے کا اتفاق ہوا جہاں مجھے 8-10-2006 کو اس کتاب سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس کتاب کو دوبارہ اشاعت کرنے کی اجازت حاصل کروں۔ میں نے شخصی طور پر دہلی جا کر موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ سید حسن ثانی نظامی کے دولت خانہ پر حاضر ہو کر بالمشافہ 21 اپریل 2013 کو اس کتاب کو دوبارہ اشاعت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ جس کے نتیجہ میں یہ بیش بہاء

خزانہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

آپ کا ایک خوبصورت اور قیمتی بیان ہے کہ ''قصہ مختصر اس طرح صد ہا باتیں ہیں جو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھ مسلمان ہیں۔ اور مسلمان سکھ ہیں۔ اور وقت آ رہا ہے کہ گذشتہ سیاسی جھگڑوں کو یہ دونوں قومیں فراموش کر دیں اور ہندوستان کے دو بازو ہو کر زندگی بسر کریں۔''

سکھ ازم اور اسلام کے مابین بنیادی عقیدوں کی یکسانیت کے باوجود سکھ ازم کی انفرادی اور جداگانہ شناخت یہ ہے کہ یہ اسلام یا کسی اور دوسرے مذاہب، دین اور دھرم کی طرح نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف انسانیت کا پیروکار ہے۔ اور انسانیت میں ہر قسم کی تفریق حتیٰ کہ عورت اور مرد کے فرق کا بھی مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سال کے 365 دن گرودواروں میں خواتین کو داخلے کا اور مذہبی کتاب کو پڑھنے کا برابر کا حق ہے۔

ان کی مذہبی کتاب 'گرنتھ صاحب' جس کو گرو (مرشد) ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور جو ہر گرودوارہ میں اونچے مقام پر بہ صد احترام رکھا جاتا ہے اور جسے سکھ گذشتہ چار سو سالوں سے احتراماً سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں 6 سکھ گرو صاحبان کے علاوہ ایک سکھ 7 مسلمان، 2 اچھوت اور دیگر 20 ہندوؤں کے مختلف طبقات کے بزرگوں کے کلام کو شامل کیا گیا ہے جو ایک معبود کی پرستش اور انسانیت میں ایکتا پیدا کرنے والے ہدایات سے معمور ہے۔ اسی طرح سکھ ازم مختلف مذاہب کے درمیان ایک رابطہ کا اہم فرض انجام دیتا ہے۔

دنیا کی صرف دو ہی مقدس مذہبی کتابوں میں اللہ کا لفظ استعمال میں آیا ہے۔ مسلمانوں کے قرآن شریف میں اللہ کا لفظ (114) بار اور سکھوں کے شری گرو گرنتھ صاحب میں (37) بار اللہ کا لفظ آیا ہے۔ جب کہ کسی اور مقدس کتاب میں لفظ اللہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

اس مقدس کتاب کا بین المذہبی ڈائجسٹ ہونا اور اُس میں موجود مختلف مذاہب کے مصنفین کا ایک خدا اور ایک انسانیت کے پیام کو عام کرنے کی کوشش اس بات کا ثبوت ہے کہ

سارے مذاہب کی بنیاد اور وجود میں آنے کی وجوہات مشترک ہے۔ مختلف زبانوں اور مختلف طور طریقوں سے عبادت کیے جانا مختلف حالات کا نتیجہ ہوسکتے ہیں لیکن معبود کے مختلف ہونے کا خیال قرین قیاس اور ناممکن ہے۔ اس میں شامل الہامی کلام یہ درس دیتا ہے کہ بین المذہبی مذاکرات آج کے دور کی شدید ضرورت ہے جس سے نسل انسانی کی صحیح خدمت اور خدا کی خوشنودی حاصل کی جاسکے گی۔ انسانیت کی بقاء، نشونما، قیام امن کے لیے آج کی نسل کو تشدد سے روکنا اور آپس میں سب کے ساتھ پریم اور پیار کے ساتھ رہنا اور دوسروں کے عقیدوں سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی سمجھنے کی کوشش کرنے میں ہی سب کے ایک معبود کی عبادت ہے۔

سکھوں کے مذہب سے بالاتر ہونے کی ایک حالیہ مثال حیدرآباد کے روزنامہ سیاست مورخہ 8-12-2013، سنڈے ایڈیشن کے صفحہ 3 پر موجود ہے جس میں جناب ظہیرالدین علی خاں صاحب مینجنگ ایڈیٹر کی ایک سروے رپورٹ ''مظفر نگر کا فساد۔ مسلمانوں میں بیداری کی لہر'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس میں نمایاں طور پر باکس (چوکھٹے میں) ایک خاص عنوان ہے ''مسلم مظلومین سے سکھ بھائیوں کی ہمدردی''۔ جس کا مضمون ہے ''ایسے وقت میں جب کہ مظفر نگر اور اس کے اطراف و اکناف کے دیہاتوں میں مسلم کش فسادات کا زور تھا اور مسلمانوں کو قتل کیا جارہا تھا۔ دو سکھ بھائیوں یعنی گرپریت سنگھ اور سہاگ ویر سنگھ نے گرودوارے کے دروازے ان پناہ گزینوں کے لیے کھول دیئے۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور اپنے گھروں میں رہنے کے لیے جگہ فراہم کی۔ یہ سکھ خاندان پاکستان سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوا ہے۔ لیکن ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے ہمدردی کا کا جذبہ ابھی بھی موجود ہے۔'' یہاں یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے رشتہ داروں اور جائیدادوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و تاراج ہوتے دیکھ کر آئے ہوں گے۔ اس کے باوجود فسادیوں کے ہجوم سے بے خوف و خطر ہو کر مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔ جو سکھ ازم کے انسانی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے۔۔

ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک نہایت تعلیم یافتہ سماجی کارکن اور سیکولر ذہن رکھنے والے میرے ایک مخلص مسلمان دوست نے مجھ سے یہ جاننا چاہا کہ ''سکھ بال کیوں نہیں کاٹتے ؟'' اس عجیب سوال پر میرا ماتھا ٹھنکا میں نے یہ سوال کرنے کی وجہ جاننا چاہی ۔ بہت پس و پیش کے بعد اس نے کہا کہ '' ہم نے سنا ہے کہ سکھوں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ جب تک مسلمانوں کو جڑ و بنیاد سے ختم نہیں کر دیتے بال نہیں کٹوائیں گے'' ۔ اس وقت مجھے یہ اندازہ ہوا کہ سماج میں ہر طرف سکھ دشمن تواریخ ، مضامین کے علاوہ تقاریر اور افواہیں بھی گشت کر رہی ہیں ۔ اور سکھ اپنے پیغام کو پہنچانے میں کس حد تک ناکام ہیں ۔ میں اپنے تقریر اور تحریر کے ذریعہ شری گرونانک صاحب کا پیغام فرقہ وارانہ یکجہتی پہنچانے کے شغل میں مصروف تھا ۔ اس واقعہ کے بعد میں نے سکھ ۔ مسلم تعلقات پر تحقیق ، لکھنا اور بولنا شروع کیا ۔ کئی مقالوں اور مضامین کے علاوہ دو کتب ''شری گرو گرنتھ صاحب میں مسلمانوں کے لیے ہدایات'' (اردو اور انگریزی میں) اور '' شری گرو گرنتھ صاحب ۔ ایک بین المذہبی ڈائجسٹ ۔ ایک تعارف'' بہ زبان اردو شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ یوں تو کئی مسلمان حضرات اور کچھ سکھ حضرات نے بھی سکھ ۔ مسلم کے تعلقات پر کتابیں لکھی ہیں لیکن ان سب میں نمایاں ایک ادبی اور مذہبی شخصیت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبؒ کی یہ کتاب بھی میری اس حقیری کوشش میں معاون ثابت ہوگی ۔ اس نظریہ سے یہ پیش خدمت ہے ۔۔

آج وقت کی ضرورت ہے کہ عوام اپنے مذاہب کو اپنی اپنی زندگی میں ڈھالیں اور دوسروں سے ایک انسانی برادری ہونے کا برتاؤ رکھ کر ہر ایک کو پیدا کرنے ، پالنے اور مارنے والا ایک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں ۔۔

عید الفطر
29-07-2014

نانک سنگھ نشتر
Mob: 098 48 35 31 05
nanaknishter84@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

سکھوں کی نسبت میں نے اخبارات و رسائل میں بہت مضامین لکھے ہیں ۔جن میں سے بعض آجکل دستیاب نہیں ہوتے اور بعض کہیں کہیں ملتے ہیں جو مضامین مل سکتے ہیں ان کو عزیزم سلطان احمد وجودی نظامی نے اس رسالہ میں جمع کر کے شائع کیا ہے ۔ ان میں سے پہلا مضمون میری کتاب بیوی کی تعلیم میں شائع ہوا ہے ۔مگر چونکہ اس کا تعلق اس رسالہ سے زیادہ تھا ۔ اس واسطے اس کو بھی یہاں نقل کر دیا گیا تا کہ سکھ قوم مسلمانوں کی رائے کو ایک جگہ پڑھ سکے ۔

یہ مضامین دلی محبت سے لکھے گئے ہیں ۔ ان کو سیاسی یا ذاتی معاملات سے مطلق تعلق نہیں ہے ۔

سکھ اور سید کے مضمون سے بعض مسلمانوں کو غلط فہمی ہوئی تھی ۔مگر میں نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ مضمون محض لفظی مناسبت اور مشابہت کی بنا پر لکھا گیا ۔سادات کی توہین یا تنقیص منظور نہیں ہے ۔

لڑاکا پنجاب کے سکھ مضمون میں جو نصیحت سکھوں کو کی گئی ہے ۔ یہ 1871ء کا واقعہ ہے ۔ آج کل سکھوں میں کچھ زیادہ اختلافات نہیں ہیں ۔ جو امید ہے رفتہ رفتہ سب دور ہوجائیں گے ۔انشاء اللہ تعالیٰ ۔۔

حسن نظامی

27 دسمبر 1922ء

سکھ

سکھ ایک قوم ہے جو پنجاب کے صوبہ میں رہتی ہے۔ یوں تو دنیا کے ہر مقام پر اور ہندوستان کے ہر شہر میں سکھ لوگ موجود ہیں۔ مگر ان کا اصلی گھر پنجاب ہے۔ سکھ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان نہ عیسائی نہ موسائی۔ بلکہ ایک نئی قسم کے لوگ ہیں۔ ان کا مذہب اسلام سے بہت مشابہ ہے۔ کیوں کہ وہ خدا کو ایک وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔ بتوں کو نہیں پوجتے۔ اور خدا کی ذات وصفات میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتے اور خدا کی وحدت کا عقیدہ ان کا اور مسلمانوں کا بالکل ایک ہے۔ فرق صرف رسالت کے مسئلہ میں ہے کہ وہ رسولؐ کو ایسا نہیں مانتے جیسا مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

سکھ مذہب کی عمر پانسو برس کے قریب ہے۔ بابر بادشاہ کے زمانہ میں بابا نانک صاحب ایک درویش گزرے ہیں۔ انہوں نے سکھ مذہب کی تعلیم شروع کی تھی۔ بابا گرونانک صاحب تارک دنیا فقیر تھے اور مسلمان فقراء کی طرح دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی حکمت اور خدا شناسی کے طریقے منظوم اقوال میں سنایا کرتے تھے۔ ان کے مریدوں نے وہ اقوال ایک کتاب میں جمع کر لیے۔ اور اس کا نام گرنتھ صاحب رکھا۔ صاحب کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا مسلمان قرآن کو شریف کہتے ہیں۔ سکھ لوگ گرنتھ صاحب کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اس کو ریشمی غلافوں (پوشاک) میں رکھتے ہیں اور قرآن شریف کی طرح گرنتھ صاحب بھی رحل کے اوپر رکھ کر پڑھا جاتا ہے۔ سکھوں کے بڑے بڑے مندر ہوتے ہیں۔ جن کو گردوارہ کہا جاتا ہے۔ گرودوارہ کے معنے ہیں پیر کا پڑوس مرشد کا ہمسایہ۔ ہادی کا وصل خانہ۔

سکھوں کے کسی گردوارے میں بت نہیں ہوتے وہاں صرف گرنتھ صاحب رکھا ہوتا ہے اور سکھ گرنتھ صاحب کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ امرتسر میں سونے کا مشہور مندر ہے جس کو دیکھنے کے لیے یورپ، امریکہ تک سے سیاح آتے ہیں۔ اس مندر میں بھی سوائے گرنتھ صاحب کے اور کوئی شئے نہیں ہے۔

ہندو اثر:

چونکہ گرو نانک صاحب ایک فقیر اور درویش تھے اس واسطے ان کو ہندو بھی مانتے ہیں اور ان میں سے بعض کا دعویٰ ہے کہ بابا نانک صاحب ہندو تھے۔ اس واسطے ہزاروں ہندو عورتیں اور مرد سکھوں کے مندروں میں گرنتھ صاحب کی زیارت کرنے جایا کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بعض گردواروں میں بت بھی رکھ لیے گئے تاکہ ہندو زیارت کرنے والے اپنے دیوتاؤں کے درشن بھی ساتھ کے ساتھ سکھ مندروں میں کرلیا کریں۔ اسی طرح بعض گردواروں کے مہنت اور متولی و منتظم بھی ہندو بن گئے جو ایک طرف تو ہندو عقیدہ رکھتے تھے اور دوسری طرف گرو نانک صاحب کو بھی مانتے تھے۔ ان مہنتوں کے پاس گردواروں کے طفیل ہزاروں لاکھوں روپے کی جاگیریں بھی ہوگئیں جو گرو صاحب کے ماننے والوں نے گردواروں کے لنگر کی خدمت کے لیے نذر کی تھیں۔

جھگڑے:

چند سال ہوئے سکھوں کو خیال آیا کہ ہم تو موحد ہیں اور بت پرستی ہمارے ہاں سخت گناہ ہے پھر ہمارے گردواروں میں یہ بت کیوں رکھے گئے ہیں؟ اس واسطے انہوں نے کوشش کر کے پہلے امرتسر کے مندر سے بت اٹھوا دیئے۔ پھر دوسرے گردواروں سے بھی بت اٹھوائے جانے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہندو مہنتوں کو ہمارے گردواروں کے متولی

بننے کا کوئی حق نہیں ہے کیوں وہ سکھ مذہب کے تمام احکام کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔اس پر سکھوں کے ایک خاص فرقہ اکالی نے (جس کے معنی غیر فانی فرقہ الٰہی کے ہیں) ہندو مہنتوں سے گفتگوشروع کی کہ ہمارے گردوارے خالی کردو۔اکالیوں نے بعض گردواروں پر قبضہ کرلیا اور بعض پر ابھی قبضہ نہیں ہوا۔

ننکانہ صاحب کا قتل عام:

اسی جھگڑا کے زمانہ میں اکالی سکھوں کا ایک گروہ ننکانہ صاحب کے مشہور مندر میں گیا تاکہ وہاں زیارت بھی کرے اور ہندو مہنت سکھ قبضہ کی نسبت بات چیت بھی ہو۔ ہندو مہنت نے پہلے سے تیاری کر لی تھی۔ جونہی یہ سکھ وہاں گئے۔مہنت نے اپنی نوکروں سے ان سکھوں پر حملہ کرادیا اور سب کو گھیر کر قتل کرادیا گیا جو ایک سو کے قریب یا کچھ زیادہ تھے۔ان کی لاشوں کو مٹی کا تیل ڈال کر جلا دیا گیا۔اس قتل عام سے تمام سکھ قوم جوش میں آ گئی اور آج تک وہ جھگڑا قائم ہے۔

سیاست اور سکھ:

یہ زمانہ مہاتما گاندھی کے ترک موالات کا تھا۔سکھ بھی اس میں شریک ہو گئے اور نامل درتن (ترک موالات) پر عمل کرتے گئے اور چونکہ وہ بہت جوشیلی قوم ہے اس لیے سرکار نے ان کے بہت سے آدمیوں کو جیل خانہ بھیج دیا۔بس آج کل سکھ لوگ سیاست کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بھی دو قوم آگے چلنے کی کوشش کرر ہے ہیں۔

سکھ اور سنگھ:

گرونانک صاحب کے زمانہ میں اور ان کے بہت بعد تک یہ فرقہ فقیرانہ طرز کا رہا۔مگر گروگوبند سنگھ صاحب کے زمانہ میں یہ جماعت سکھ سے سنگھ بن گئی۔سنگھ کے معنی شیر کے ہیں۔

گرو گرو بند سنگھ صاحب نے سکھوں کو فوجی سپاہی بنا دیا اور اسلامی حکومت کے ضعف کے زمانہ میں سکھوں کی حکومت تمام پنجاب میں ہوگئی۔ مگر جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو سکھوں سے بھی ان کی لڑائی ہوئی جس میں پنجاب سرکار انگریزی کے ہاتھ آ گیا اور سکھ لوگ انگریزی فوج میں بھرتی ہوگئے اور ایسے وفادار سپاہی ثابت ہوئے کہ سرکار انگریزی کی بہت سی فوجیں سکھوں سے بھر گئیں۔

غدر 1857ء کے زمانہ میں ان سکھوں نے سرکار کی بہت مدد کی اور جنگ یورپ میں سرکار کے سینہ سپر ہو کر سکھوں نے میدان مارے اور اب بھی سکھوں کی فوجیں سرکار کے ساتھ ہیں۔ صرف غیر فوجی سکھ ترک موالات میں شریک ہوئے ہیں (اب پنشن یافتہ فوجی سکھ بھی شریک ہوتے جاتے ہیں)۔

سکھوں کا قومی درجہ:

اب تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں سکھ ایک خاص قوم ہیں۔ جیسے ہندو اور مسلمان اور پارسی اور عیسائی الگ الگ قومیں ہیں۔ اسی طرح سکھ بھی ایک علحدہ قوم ہیں کیوں کہ وہ ایک خاص زبان اور خاص مذہب اور خاص رسم و رواج رکھتے ہیں۔

سکھ مسلمان ہیں:

اگرچہ سیاسی اعتبار سے سکھوں کا وجود کانگریس اور سرکار نے ایک علحدہ اور خاص وجود تسلیم کر لیا ہے لیکن قومی خصلتوں کے لحاظ سے وہ بالکل مسلمان ہیں اور وہ وقت بہت قریب ہے کہ سکھوں اور مسلمانوں کی قومیت ایک دوسرے سے متحد ہو جائے گی۔

صرف تین باتوں میں سکھ لوگ ہندوؤں سے مشابہ ہیں۔ ورنہ ان کی ہر چیز مسلمانوں کی مثل ہے۔ ایک تو وہ ہندوؤں کی طرح چھوت کے بعض حصوں پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی

مسلمانوں کے ہمراہ آزادی کے ساتھ کھانا پینا ان کے ہاں رائج نہیں اور دوسرے ان کے مردے دفن نہیں ہوتے بلکہ جلائے جاتے ہیں۔ تیسرے وہ گائے کی حفاظت کو اچھا خیال کرتے ہیں۔ مگر غور کیا جائے تو چھوت کا مسئلہ اس زمانہ میں ان کے ہاں رائج ہوا ہے جب کہ ان میں اور مسلمان حکمرانوں میں سیاسی وملکی لڑائیاں ہورہی تھیں اور قاعدہ ہے کہ جنگ فریقین کے آپس میں نفرت پیدا کردیتی ہے پس کچھ بعید نہیں کہ سیاسی میل جول اس جدائی کو دور کردے اور ان میں اور مسلمانوں میں ساتھ مل کر کھانا پینا شروع ہوجائے۔

گائے کی تعظیم بھی انہوں نے ہندووں کے میل جول سے سیکھی ہے ورنہ ان کے مذہب میں توحید کی جیسی سخت تاکید ہے۔ اس کے لحاظ سے کسی غیر خدا کی عظمت ان کے ہاں جاری نہیں رہ سکتی۔

مردہ کا جلانا بھی ہندورسم ورواج کی صحبت کا اثر ہے اور اگر یہ سکھوں کا مذہبی حکم بھی ہو۔ تب بھی سکھ محض اس رسم کے سبب ہندو نہیں ہوسکتے کیوں کہ یہ بات اصول مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔

اب ان باتوں کو دیکھنا چاہئے جن سے سکھ قوم مسلمانوں کے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ تو سب سے پہلی اور سب سے بڑی چیز تو مسئلہ توحید ہے کہ مسلمانوں کے عقیدہ وحدت پرستی اور سکھوں کے عقیدۂ توحید میں ایک بال برابر کا بھی فرق نہیں ہے۔ عبادت کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ تب بھی سکھ اور مسلمان بالکل مساوی معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے ہاں ہندوؤں کی طرح عناصر پرستی اور موسم پرستی نہیں ہے، نہ وہ موسم بہار کی ہولی کو مانتے ہیں۔ نہ زراعت کو نشوونما دینے والے سورج کو مانتے ہیں۔ نہ کھیتوں کو سیراب کرنے والے کسی دریا پر ان کا ایمان ہے۔ نہ بارش کروانے والے اندر دیوتا ان کے ہاں ہیں۔ نہ علم کے محافظ گنیش جی کی ان کے ہاں مانتا ہے بلکہ وہ خدا کی ذات وصفات پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اور خدا کی عبادت انہی طریقوں سے کرتے ہیں جو طریقے مسلمانوں

کے ہاں رائج ہیں۔ یعنے ان عبادت خانوں میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو ہندوؤں کے بتوں سے مشابہ ہو۔ مسلمانوں کے ہاں تہجد کی نماز ضروری سمجھی گئی ہے۔ سکھوں کے ہاں بھی پچھلی رات کو بیدار ہونا اور یادالٰہی کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان تلاوت قرآن کو صبح کے وقت ضروری سمجھتے ہیں۔ سکھ بھی گرنتھ صاحب کو صبح کے وقت پڑھنا لازمی قرار دیتے ہیں۔

قومی خصلتوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سکھ اور مسلمان مسئلہ جنگ میں یکساں نظر آتے ہیں۔ لڑائی میں مرجانا ان کے ہاں بھی شہادت ہے اور لڑائی سے منہ نہ پھیرنا وہ بھی انسانی شان خیال کرتے ہیں۔ انسانی مساوات اور ادنیٰ اعلیٰ کا فرق نہ ماننا انہیں بھی مسلمانوں کی طرح ہے۔ نشہ ان کے ہاں بھی ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ تمبا کو بھی ان کے ہاں حرام ہے۔ مسلمان بھی گوشت کھاتے ہیں اور وہ بھی گوشت کھاتے ہیں۔ فرق صرف ذبح کرنے کا ہے، ورنہ گوشت خوری میں دونوں برابر ہیں اور یہ ایک ایسی بڑی چیز ہے جس سے سکھ مسلمانوں کے برابر کھڑے نظر آتے ہیں اور ہندوؤں سے ان کا کچھ بھی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ ایک اور خصلت علم النفس کی رو سے ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اور وہ ذاتی عزت کا رکھ رکھاؤ ہے جس کو انگریزی میں سیلف رسپکٹ کہتے ہیں۔ مسلمان عزت ذاتی کے لیے تمام دنیا کی دولت کو قربان کر دیتا ہے اور عزت کے مقابلہ میں اور کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔ سکھوں کا بھی یہی حال ہے۔ ایک دوسری چیز اسی سلسلے میں سکھوں کے اندر اور ہے اور جو مسلمانوں کے مشابہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے کسی ہم جنس سے خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو۔ عاجزانہ دب کر رہنا نہیں چاہتے اور ایسے جھک کر نہیں ملتے جس سے ان کی ذاتی خودداری پامال ہو جائے۔ علم النفس کی رو سے ایک تیسری بات اور بھی ہے جو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا دل اور زبان ایک ہوتی ہے وہ سپاہیوں کی طرح کھری اور صاف بات کہتے ہیں۔ ظاہرداری کے توڑ جوڑ ان کو نہیں آتے۔ یا یوں سمجھنا چاہئے کہ ان کی خصلت اور سیرت میں سازشوں کا مادہ نہیں ہوتا۔ چوتھی چیز ایک اور بھی ہے جو علم النفس کے بموجب سکھوں اور مسلمانوں میں

مشترک ہے کہ وہ بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں اور حالت اشتعال میں دور اندیشی اور مصلحت بینی کا خیال ان کو نہیں رہتا۔

قصہ مختصر اسی طرح صد ہا باتیں ہیں جو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھ مسلمان ہیں اور مسلمان سکھ ہیں اور وقت آرہا ہے کہ گذشتہ سیاسی جھگڑوں کو یہ دونوں قومیں فراموش کر دیں اور ہندوستان کے دو بازو ہو کر زندگی بسر کریں۔۔

سکھوں کا حُلیہ :

سکھوں کے ہاں مسلمانوں کی طرح سر پر پگڑی باندھنا ضروری ہے۔ داڑھی رکھنا بھی ضروری ہے یہاں تک کہ وہ بدن کے کسی حصہ کے بالوں کو استرہ یا قینچی نہیں لگاتے۔ وہ بڑے قد آور اور شاندار چہرہ کے ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں پچھلی رات کے جاگنے کے سبب پر لطف خمار پایا جاتا ہے۔

پانچ ککے :

ہر سکھ کے لیے پانچ ککوں کا رکھنا صروری ہے۔ ککا کاف کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں :

(1) کیش (سر کے بال)

(2) کرد (چھوٹی سی چھری جو سر کے بالوں میں رہتی ہے)

(3) کنگھا (جو سر کے بالوں میں لگا رہتا ہے)

(4) کڑا جو ہاتھ میں پہنا جاتا ہے۔

(5) کچھا (جھانگیہ)

عبادت کے دو فرض:

سکھوں کے لیے عبادت کے دو فرض بہت ضروری ہیں ایک پچھلی رات سورج نکلنے سے پہلے حمد خدا کی جاتی ہے۔جس کو ان کی زبان میں جپ جی صاحب' کہتے ہیں۔دوسرے شام کو سورج چھپنے سے پہلے یادخدا کی جاتی ہے۔یہ اس کا نام ان کی زبان میں ''رہ راس'' ہے۔ان کے علاوہ اور عبادتیں بھی ہیں۔مگر وہ ان دو کی طرح فرض اور ضروری نہیں ہیں۔مثلاً' جپ صاحب'' سکھ منی صاحب'' آسا کی وار' وغیرہ۔

سکھ بیوی:

سکھ بیوی کو زیور اور گوٹہ کناری کا شوق ہندو مسلمان بیویوں کی طرح نہیں ہوتا۔وہ سفید و سادہ پوشاک زیادہ پسند کرتے ہے۔گھر کے کام اور شوہر کی خدمت گزاری میں سکھ بیوی بڑی اچھی بیوی ہوتی ہے۔اگر وہ کسی زمیندار کی بیوی ہے تو گھر میں جھاڑو دینا۔چیزوں کو منگوا کر رکھنا بیلوں اور گائے بھینسوں کا انتظام کرنا اور پھر دوپہر کی جلتی دھوپ میں روٹیاں اور لسی کی ہنڈیا سر پر رکھ کر ننگے پاؤں میلوں کی مسافت طے کر کے خاوند کے لیے کھیت پر لے جانا کھلا پلا کر چارہ کا ایک بڑا بوجھ سر پر رکھنا اور گھر میں لے آنا اس کے معمول کا کام ہے۔وہ کھیتی باڑی کے تمام مشکل کاموں میں شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہے۔

سکھ بیوی پردہ نہیں کرتی۔صرف امیر گھرانوں کی یا والیان ریاست کی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔مگر یہ رواج بھی رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔

مردنما عورتیں:

اب سکھ عورتوں میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے۔یہ عورتیں سر پر کالی پگڑی باندھتی ہیں۔

کمر میں کرپان (چھوٹی تلوار) لٹکاتی ہیں اور ہاتھ میں صفا جنگ (کلہاڑی) لئے بالکل مردوں کی طرح پھرتی نظر آتی ہیں۔

سکھوں کے مذہب میں عورت کا درجہ مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔ مگر عمل میں سکھ بیوی خاوند کو اپنے سے بہت اونچے درجہ پر سمجھتی ہے اور خاوند کی محبت کو اپنی کسی صفت پر نہیں بلکہ اس کی مہربانی پر محمول کرتی ہے چنانچہ ایک سکھ عورت کا بیان گورمکھی نظم میں ہے وہ کہتی ہے۔ 'نہ میں کچھ خوبصورت ہوں۔ نہ میری آنکھوں میں کچھ ادا ہے۔ نہ میری بولی میں کچھ مٹھاس ہے۔ نہ میرا خاندان ہی کچھ اونچا ہے۔ میں ایک یتیم اور غریب عورت ہوں۔ میرے پران پتی (شوہر) کی صرف مہربانی ہے جو اس نے مجھے اپنی رانی بنالیا'۔

سکھ بیوی کے لیے پتی برت دھرم (خاوند کی مرضی پر فدا ہوجانا) جوہر سمجھا جاتا ہے۔ سکھ عورتیں مذہبی جلسوں، تعلیمی کانفرنسوں اور اپنی قوم کے تمام سیاسی معاملات میں اس طرح مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

سکھوں کے ہاں شادی ہندوؤں کی طرح نائی یا برہمن کے ذریعہ نہیں ہوتی۔ نہ انگریزوں کی طرح سکھ لڑکی اپنے شوہر کو خود پسند کرتی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی طرح سکھ والدین اپنی لڑکی کی شادی کے لیے لڑکا خود پسند کرتے ہیں۔ سکھوں کے ہاں چھوٹی عمر کی شادی کا دستور نہیں ہے جب تک لڑکی کی عمر 14، 15 سال کی نہ ہوجائے۔

سکھوں کی ترقی:

سکھوں کی تعداد ہندو مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ لیکن ان کی ترقی کی دوڑ ان دونوں قوموں سے زیادہ تیز ہے۔ ان کے آپس میں قومی ہمدردی اور ایک دوسرے کی امداد کا خیال بہت زیادہ ہے۔ سکھوں کے ادنیٰ اعلیٰ لوگ سب ترقی کے جوش میں سرشار ہیں۔ پنجاب میں کئی ریاستیں پٹیالہ، نابھہ، جیند، فریدکوٹ، کپورتھلہ وغیرہ انہی سکھوں کی ہیں۔

سکھوں کا سلام:

سکھ آپس میں سلام کرتے ہیں تو یہ لفظ کہتے ہیں ''سری واہ گرو جی کا خالصہ سری واہ گرو جی کی فتح'' اور صرف ''واہ گرو کی فتح'' بھی کہتے ہیں۔ خطوط میں ست سری اکال بھی سلام کی جگہ لکھا جاتا ہے۔

گورمکھی:

سکھوں کی قومی زبان کا نام گورمکھی ہے۔

اس کا ایک خاص رسم خط ہے اور اس زبان میں سکھوں کے بہت سے اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ان کی عورتیں عموماً گورمکھی زبان میں لکھتی پڑھتی ہیں۔

سکھوں کی مستعدی:

سکھ بڑی محنتی قوم ہے۔ فوج کے علاوہ پولیس، انجینئری، ڈاکٹری وغیرہ کاموں میں بکثرت ان کی شرکت ہے۔ سکھ بڑھئی کا کام بہت اچھا جانتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ روزی کمانے کے لیے تمام دنیا میں جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر شہر میں سکھ موجود ہیں۔

☆......○......☆

لڑاکا پنجاب کے سکھ

پنجاب بڑا جنگ باز اور لڑاکا ہے۔اس کی زمین کا ذرہ ذرہ لڑنے والا ہے۔مسلمانوں کے سرسید نے اس کو زندہ دل کا خطاب دیا تھا۔زندگی زندہ دلی کا نام ہے اور رزم یعنی لڑائی کے بغیر ہر زندگی ادھوری رہتی ہے۔

جنگ یورپ نے فلسفہ جنگ کی بہت سی عملی مثالیں قائم کردی ہیں۔اب اس بحث کی ضرورت نہیں رہی کہ لڑنا اچھا ہے یا نہ لڑنا۔پہلے زمانہ میں اس پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ایک کہتا تھا لڑنے سے قومیں زندہ ہوتی ہیں۔دوسرا جواب دیتا تھا۔لڑائی قوموں کو دیگر ذرائع ترقی میں افسردہ کردیتی ہے۔اب دلیلوں اور زبانی حجتوں کی ضرورت نہیں رہی۔آنکھوں کے سامنے آگیا کہ لڑائی اچھی چیز نہیں ہے۔اس میں نقصان زیادہ ہے اور فائدہ کم۔

لڑنے میں فائدہ بھی ہے۔اس سے انسان کی قوت ارادی زنگ آلود نہیں ہونے پاتی۔مگر ہر وقت اور ہمیشہ کی لڑائی میں نقصان ہی نقصان ہے اور تباہی سر پر کھڑی رہتی ہے۔قرآن شریف میں مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔حدیث میں جنت کو تلوار کے سایہ میں بتایا ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی فرمادیا ہے کہ آپس میں نہ لڑنا ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم نکمے بزدل بن جاؤ گے۔

اور لڑائی بھی اپنی حفاظت اور اپنے زیر سایہ لوگوں کی نگہداشت کی خاطر فرض ہوئی ہے۔یہ حکم نہیں دیا گیا کہ خواہ مخواہ دوسروں پر چڑھ جایا کرو۔تبلیغ اسلام کے لیے لڑنا بھی ان لوگوں کی حفاظت ہے جو وحدت الٰہی کے خلاف گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ہندوستان ایک براعظم ہے۔جہاں ہر صوبہ کی آب و ہوا ایک دوسرے سے علحدہ ہے اور ان کے باشندے مزاج میں بالکل جداگانہ ہیں۔بنگال کی خصلت،بمبئی سے نہیں ملتی۔یوپی کی عادت پنجاب سے مطابق نہیں۔اسی طرح اور صوبوں کا حال بھی سمجھنا چاہیے۔

پنجاب تمام صوبہ جات ہند میں بہادر،جنگجو،حرب کار صوبہ ہے۔یہاں ہنود مسلمان،سکھ،

سب کے سب جنگجو ہیں ۔ فوجوں کی بھرتی تو عام اور مشہور مثال ہے ۔ مگر تمدنی اور سیاسی اور مذہبی باتوں میں بھی وہ از حد لڑاکا ہیں ۔

سکھوں کا حرب کار فرقہ پنجاب کی زمین نے پیدا کیا ۔ سوامی دیانند کے مشن آریہ سماج نے پنجاب میں حربیہ (مذہبی حرب) کی قوت حاصل کی ۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی جھگڑنے اور زبان وقلم کی لڑائی کرنے والی جماعت پنجاب ہی سے نکلی ۔ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کا جھگڑالو گروہ پنجاب سے نمودار ہوا ۔ دیو سماج کی کشمکش پنجاب میں سنی گئی ۔

اردو کے محاورے میں لڑنے کو ' دودھ و پانی ' ہونا کہتے ہیں ۔ پنجاب میں تو پانچ پانچ پانی ہوتے ہیں ۔ اور اسی لیے وہ پنج آب مشہور ہے ۔ اس صوبہ کے در و دیوار سے لڑائی کی صدائیں آتی ہیں ۔ دنیا میں کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جہاں کے باشندے پنجاب کی طرح سب کے سب لڑاکا ہوں ۔ کوئی جماعت امن پسند ہوتی ہے تو کوئی حرب پسند ۔ مگر پنجاب کا ہر باشندہ مار کٹائی کا شیدا ہے ۔

کانگریس یہاں لڑتی ہے ۔ لیگ کی ہشت مشت یہاں ہوتی ہے ۔ آریہ سماج میں یہاں دوئی ہے ۔ مسلمانوں میں یہاں بے شمار تفرقے ہیں ۔ غرض ہر فرد ، دوسرے فرد کا حریف وغنیم ہے ۔ اور میدان زیست میں لڑ کر جینا چاہتا ہے ۔

دنیا بھر کے اخبارات امن کے حامی ہوتے ہیں ۔ البتہ ملکی مفاد کی خاطر یورپ کے اخبار قوموں میں فساد ڈلوایا کرتے ہیں ۔ لیکن ہندوستان کے جتنے صوبے ہیں وہاں کے اخبارات سب کے سب امن پسند ہیں ۔ صرف پنجاب ایسا صوبہ ہے جہاں ہر قوم کا اخبار جنگی بگل ہے ۔

پنجاب کی اخباری تاریخ اول سے آخر تک خانہ جنگی سے پر ہے ۔ زمیندار ، وطن ، پیسہ اخبار کی لڑائی کس کو یاد نہیں ہے ۔ عرب واٹلی ۔ طرابلس میں لڑتے تھے اور یہ تینوں پنجاب میں ہر فریق دوسرے کو پروشیا کی طاقت سمجھ کر کچل ڈالنا چاہتا تھا ۔

آریہ گزٹ و پرکاش کی جنگ کو بھی مدتیں گزر گئیں ۔ کالج پارٹی اور مہاتما پارٹی کی زبانیں اخباری کاغذوں میں لڑتی تھیں ۔

دیوسماج کے اخبارات بھی جنگی پرستان سے الگ نہیں ہوتے ۔سکھوں کے اخبارات بھی پنجاب سے نکلتے ہیں ۔ بھلا وہ اپنے ملکی جوہر کو کیونکر چھوڑ دیتے ہیں ۔ خالصہ اخبار اور لائیل گزٹ نمونہ دکھانے کو اکثر میدان میں کھڑے رہتے ہیں ۔۔

فارسی میں کہا گیا تھا ’بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن‘ اردو فارسی کی مثل کیا یہ تو نیچرل خاصیت انسان کی ہے ۔کبھی یہ خواہش صرف ذاتی ترقی تک محدود ہوتی ہے ۔اور آدمی صرف اپنا بھلا چاہتا ہے ۔دوسرے کو گرانا اس کے پیش نظر نہیں ہوتا اور کبھی اس کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میرا فائدہ ہو یا نہ ہو مگر دوسرا گر پڑے ۔

رشک وحسد دو لفظ ہیں ۔ پہلا جائز ہے اور دوسرا ناجائز ۔ پہلے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی ترقی کو دیکھ کر اس کی حرص کرنا اور خود اس ترقی کو چاہنا ۔اس میں دوسرے کو شکست دینے اور ترقی سے گرانے کی خواہش نہیں ہوتی ۔

حسد اس کے برعکس ہے ۔اس میں انسان یہ چاہتا ہے کہ محسود گر پڑے ۔ چاہے میں کھڑا ہوں یا نہ ہوں ۔محسود کی ترقی مٹ جائے چاہے مجھے وہ نصیب ہو یا نہ ہو ۔

مسٹر ڈارون فلاسفر کا یہ خیال تھا کہ قوی کا حق کہ وہ کمزور کو فنا کر دے ۔ کیوں کہ اصول نیچر میں یہی نظر آتا ہے ۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں ۔ بڑے بڑے چھوٹے کیڑوں کو کھا جاتے ہیں ۔ بڑے درخت چھوٹے درختوں کی خوراک چھین کر مار ڈالتے ہیں اگر وہ ان کے سایہ میں ہوں ۔مہذب دنیا اس تھیوری (عقیدہ) پر چل رہی ہے ۔مگر ہندوستان کی وحدت شعار قوموں کو اس کی تقلید زیبا نہیں ۔ یہاں ناتواں مظلوم کی حمایت مذہبی فرض بتائی گئی ہے ۔ یہاں یہ حکم ہے کہ دوسروں کے لیے جیو ۔ مہذب ملک کہتے ہیں ۔خود بھی جیو ۔ دوسروں کو بھی زندہ رہنے دو ۔مگر ہندوستان کے فلسفہ حیات کا کلیہ اس سے کہیں اعلیٰ ہے ۔جس میں درج ہے کہ دوسروں کے زندہ رکھنے کو خود مر جاؤ ۔

سکھ مذہب کے بانیوں نے اپنی ہستیاں دوسروں کی خاطر قربان کر دیں ۔سکھ مذہب نے

دوسروں کے کام آنا سکھایا۔ مگر افسوس ہے کہ آج اس کے پیرو اپنے سگے بھائیوں کی ہستی نہیں دیکھ سکتے اور اپنی ہستی کے سوا ہر ہستی مٹا دینا چاہتے ہیں۔

ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی موت چاہے گا تو اکیلا رہ جائے گا۔ ایک آنکھ دوسری آنکھ کی بینائی کی دشمن ہوگی تو ایک دن کانڑی عیب دار کہلائے گی۔ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان قوم جس نے دنیا کے کونہ کونہ کو ہلا ڈالا تھا۔ خانہ جنگی کے سبب مضمحل اور کمزور ہوگئی۔ ہندو قوم جس کی عظمت کا آفتاب ساری دنیا میں روشنی پہنچاتا تھا۔ مہا بھارت کی باہمی لڑائی سے دائمی زوال میں گر پڑی۔ یورپ جس کی گھر گھر دھاک تھی۔ تین برس کے عرصہ میں چکنا چور ہوگیا کیوں کہ اس نے خود اپنے جسم کے اعضاء کو آپس میں لڑا دیا۔

سکھوں سے کہنا چاہیے کہ تم اپنی خصلت کو جو پنجابی ہونے کے سبب لڑائی مانگتی ہے نہ چھوڑو۔ نہ تم چھوڑ سکتے ہو۔ مگر خدا کے لیے اپنے جسم سے نہ لڑو۔ تم کو ابھی جہالت۔ بے ہنری، بے زری اور اس قسم کے ہزاروں حریفوں سے لڑنا باقی ہے۔ ہتھیار چلانے ہیں تو ان پر چلاؤ۔ بازو کی قوت آزمانی ہے تو وہاں آزماؤ کیوں اپنی وحدت کی اخوت میں داغ لگاتے ہو؟ کیوں اٹھان اور فروغ کے دنوں میں مرجھانے اور ٹھٹھر کر رہ جانے کی باتیں کرتے ہو۔

دنیا کی ہر ہونہار قوم میں خانہ جنگی ہوئی ہے۔ تم میں بھی ہونی چاہئے۔ مگر ابھی اس کا وقت نہیں ہے کیوں کہ ہر قوم نے پہلے اپنی ہستی کو مضبوط کیا۔ اس کے بعد لڑنے بھڑنے میں مصروف ہوئی تمہاری تو ابھی ابتداء ہے۔ ہاں میں غلط نہیں کہتا۔ سکھوں کی ترقی جدید اور علوم جدید کی دوڑ میں ابھی بالکل شروعات ہے۔ ان کو ہزاروں کام کرنے ہیں۔ ان کی جماعت ہندوستانی قوموں میں بہت کم تعداد کی ہے۔ وہ جب تک پارسیوں سے زیادہ آپس میں متحد نہ ہوں گے۔ کبھی سلامت نہیں رہ سکتے۔ پارسی ان سے بھی تھوڑے ہیں مگر تمام اقوام ہند میں شہ زور اور مضبوط ہیں کیوں کہ ان کا ہر فرد اپنے دوسرے فرد کا سہارا ہے وہ کبھی آپس میں کھلم کھلا نہیں لڑتے۔ اندر کچھ ہی حالت ہو۔ مگر باہر ان کے تفرقہ کی کوئی بات آنے نہیں پاتی۔

ہندوؤں کولڑنے دو۔ وہ گنتی میں بہت زیادہ ہیں۔لڑائی سے ان کی جمعیت کم نہ ہوگی۔ مسلمانوں کوبھی آپس میں دست و گریبان ہونے دو۔ وہ قیامت لڑتے رہیں گے اور اسپر کبھی کسی قوم سے خواہ وہ کتنی ہی طاقت دار ہوجائے۔ دب کرنہیں رہیں گے۔ کیوں کہ ان کی قومیں ہر ملک و ہر قوم کو گھیرے ہوئے ہے۔مگر اے سکھو! تم آپس میں لڑنا چھوڑ دو! تم نے اس کو ترک نہ کیا۔تو ہوم رول ملنے کے وقت تمہاری شخصیت ڈارون تھیوری پر چلنے والے ہڑپ کر جائیں گے۔یعنی ہندوستان کی وہ قوتیں جو برسر اقتدار ہوں گی اور حکومت ان کے ہاتھ میں آئے گی تو کم تعداد اور کم علم اور کم ہنر اور کم زر اقوام کومل دل کر اپنے اندر جذب کرلیں گی۔

اس واسطے تم آج اپنی فکر کرو اور سب کے سب ایک ہوجاؤ۔لڑنا چھوڑ دو۔ آپس کے ہر فساد سے ہاتھ اٹھالو اور علم و ہنر کی جنگ میں صفیں باندھ باندھ کر آگے بڑھو تا کہ تمہاری اہمیت ہوم رول کے وقت سے پہلے اتنی بڑھ جائے کہ تعداد کی کمی پر کوئی ہندوستانی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے اور تم ملک کا مضبوط ہاتھ دکھلانے لگو۔

قدرت تمہارے ساتھ ہے۔اس نے تم کو طاقت دار بنا دیئے ہیں۔ جری اور دلیر دل دیا ہے۔ بڑا اور گونا گوں کیفیتوں سے بھرا ہوا دماغ دیا ہے۔تمہارے پاس روحانیت اور وحدت سے لبریز عقیدہ موجود ہے۔تم فطرتاً ایک مکمل قوم ہو۔تم خدا کے خاص بندے ہو جن کو اس نے اپنی سب نعمتیں دی ہیں۔ دیکھو ان کی قدر کرو اور خالص خالصہ بن جاؤ۔ دوئی کی باتوں کو چھوڑ دو اس کو حسن نظامی کی آواز نہ سمجھو۔ بلکہ صدائے غیب مانو۔ کیوں کہ اس کائنات میں کوئی شخص اگر وہ اس قوم و مذہب میں نہ ہو۔ بھلائی کی بات نہیں بتاتا۔ میں جو کہتا ہوں حکم ربانی کے اشارے سے کہتا ہوں۔ کیوں کہ پروردگار کو یہ منظور ہے کہ تم سکھ اس ہندوستان میں ہر باشندہ کے سُکھ کا باعث بنائے جاؤ گے۔تمہاری حالت ہر ہندی قوم کی شاہراہ بننے والی ہے۔تمہاری روشنی سارے ملک کو زیست کے اندھیرے میں ٹھوکروں سے بچانے والی ہوگی۔تو کیا تم ان بشارتوں کو سننے کے بعد بھی شکرانہ نہ بھیجو گے؟ اور وہ یہی ہے کہ مقبول بندوں کی طرح آپس میں محبت سے بسر اوقات کرنا اختیار کرو۔ست سری اکال۔۔

☆……O……☆

سکھ اور سید

ہندوستان کے مسلمانوں میں چار ذاتیں بہت مشہور ہیں ۔ ایک سید ۔ دوسرے شیخ ۔ تیسرے مغل ۔ چوتھے پٹھان ۔ دین اسلام نے ذات پات کی قید مٹا دی تھی اور قرآن شریف نے حکم دیا تھا کہ **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم** ۔ خدا کے نزدیک تم میں بڑا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا (نیک عقیدہ و نیک عمل) ہو مگر خاندانوں اور قبیلوں کی شناخت کے لیے ذاتوں کے نام رکھدیئے گئے ۔ مذہب کے حکم سب کے لیے یکساں ہیں اور کسی ادنیٰ و اعلیٰ ذات کی تفریق ان میں نہیں ہے ۔۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں ۔ ایک خدا کی توحید کا اقرار ۔ دوسرے نماز ۔ تیسرے زکواۃ ۔ چوتھے روزہ ۔ پانچویں کعبہ کا حج ۔

ان پانچوں اسلامی رکنوں میں ہر ذات اور قبیلہ برابر کا شریک ہے ۔ یہ نہیں کہ سید کی نماز کچھ اور ہے اور مغل کی کچھ اور پٹھان کا روزہ کچھ اور ہے اور شیخ کا روزہ کچھ اور ۔ ایک بڑے سے بڑے شہنشاہ یا ولی یا عالم کے برابر نماز کی حالت میں ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کھڑا ہو سکتا ہے اور کوئی شخص اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا ۔

غرض اسلام میں ذات پات کی تقسیم مذہبی امور میں کچھ بھی نہیں ہے اور ہر مسلمان کو خواہ وہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ رتبہ کا ہو حکم ہے کہ اپنے غریب سے غریب اور ادنیٰ سے ادنیٰ حالت کے مسلمان کو بھائی تصور کرے ۔

اسلام میں اعمال کی پرسش ہے ۔ اسلام کے بانی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی لاڈلی اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ یہ خیال نہ کرنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہوں ۔ عمل کرنا کہ عمل سے انسان کی قدر ہے ۔ نسب سے کچھ نہیں ۔ ذات پات پوچھے نا کوئی ، ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے ۔

اس واقعہ سے ہر مسلمان محسوس کرنے لگا کہ جب رسولؐ اپنی بیٹی کو رسول کی دختر ہونے کا شرف نہیں دیتے اور عمل کی تاکید کرتے ہیں۔ تو ہم کو بھی اعلیٰ نسل کا فخر نہ کرنا چاہئے اور ہر انسان کو برابر اور مساوی سمجھنا چاہئے۔ جامی فرماتے ہیں کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ البتہ اچھے عمل کے سبب بزرگی اور امتیاز ماننا پڑے گا۔

اس بیان کے بعد میں سکھ اور سید پر ایک خیال ظاہر کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ غلط فہمی واقعہ نہ ہو کہ سید کی ذات مسلمانوں میں دوسری ذاتوں سے مذہباً کچھ اعلیٰ ہے۔

سید اس جماعت کو کہتے ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہے۔ یعنی جو نسل حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شرکت سے چلی ہے۔ اس کو سید کہا جاتا ہے۔ اور جو حضرت علیؓ کی اولاد ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کی دوسری بیوی سے تعلق رکھتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ ان میں شریک نہیں ہیں۔ ان کو علوی کہتے ہیں۔ سید نہیں کہتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے سبب اس قوم کا نام سید قرار پایا۔

سید عربی لفظ ہے۔ جس کے معنے سردار کے ہیں۔ اولاد حضرت فاطمہؓ کا نام ہندوستان میں سید مشہور ہے اور عرب میں اس نسل کو شریف کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ معظّمہ کا مذہبی حاکم شریف کہلاتا ہے کیوں کہ وہ فاطمی نسل سے ہے۔

ہندوستان میں اور تمام اسلامی دنیا میں سید قوم کی دوسری نسلوں کے مسلمان اس وجہ سے عزت کرتے ہیں کہ ان کی رگوں میں رسول ﷺ کا خون ہے۔ سید کو ہر اعتبار سے اونچا اور برتر سمجھا جاتا ہے اور اصل نسل سید بھی مسلمانوں کی ویسی ہی خدمت کرتی ہیں جیسی ان کے نانا رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں نے کی تھی۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ سید القوم خادِمُہم۔ قوم کا سید و سردار وہ ہے جو قوم کی خدمت کرے۔

رسول اللہ ﷺ کو اقرار تھا کہ میں خود بھی ایک مسلمان کی سی حیثیت رکھتا ہوں اور مجھ پر بھی اسلام کے ان تمام احکام کی تکمیل ویسی ہی فرض ہے جیسی عام مسلمانوں پر ہے اس واسطے سید

بھی یہی خیال رکھتے ہیں اور اپنی بزرگی کو اپنے منہ سے بیان نہیں کرتے اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے سبب کہ سید وہی ہے جو قوم کا خادم ہو۔ قوم کی خدمت کو اپنا آبائی پیشہ اور فرض خیال کرتے ہیں۔

سیدوں کے اوصاف میں چند چیزیں دیگر نسلوں سے بہت ممتاز سمجھی جاتی ہیں اور ہر مسلمان کو اقرار ہے کہ ان اوصاف ہیں کوئی شخص سیدوں کی برابری نہیں کرسکتا۔ ایک تو یہ کہ سید بڑے سخی ہوتے ہیں ان کے بزرگوں کے ہزاروں لاکھوں قصے مشہور ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا مال دوسروں کی خاطر خرچ کردیا۔ خود بھوکے بیٹھ گئے۔ اور دوسرے بھوکوں کو اپنا حصہ دیدیا۔

دوسری یہ کہ سید بڑے بہادر اور جوانمرد ہوتے ہیں۔ وہ جان کی کبھی پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ بنت رسولؐ کے بیٹے حضرت امام حسینؓ نے چند آدمیوں کے لشکر سے ہزاروں آدمیوں کی فوج کا مقابلہ کیا۔ جس کی یادگار میں محرم منایا جاتا ہے۔ اسی ایک واقعہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ سادات کی شجاعت تاریخ کے ہر زمانہ میں ایسی ہی روشن اور نمایاں نظر آتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ سید حق وصداقت کے سامنے جان کی اور مال کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت امام حسینؓ نے اپنے بچوں کی جانیں دیدیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ننھے ننھے بچے پیاسے کٹ گئے۔ خود ان کے (امام حسینؓ کے) گلے پر خنجر چل گیا۔ مگر انہوں نے جھوٹ اور گناہ کے آگے سر نہ جھکایا اور اسی کی لڑائی تھی۔

سیدوں کے ان اوصاف کے بعد اب سکھوں کے اوصاف پر نظر کرنی چاہئے کہ جس طرح مسلمان اقوام میں سیدوں کے اوصاف برگزیدہ ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی قوموں میں سکھوں کو فوقیت ہے۔

☆……○……☆

سکھوں کے اوصاف

اول ۔تو ان کا نام ہندوستانی اقوام میں سردار مشہور ہے جو لفظ سید کا ترجمہ ہے۔

دوسرے ۔سکھ سیدں جیسے دلیر و بہادر ہیں۔

تیسرے ۔موجودہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیدوں کی طرح سخی اور فیاض بھی ہیں کیوں کہ انہوں نے باوجود قلیل و محدود جماعت ہونے کے جیسی دریا دلی سے اپنی قومی و علمی کاموں کی مدد کی ہے۔ایسی ہندوستان کی کسی قوم نے نہیں کی۔

چوتھے ۔سکھوں نے بھی حق وصداقت کی خاطر اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں دی ہیں اور کبھی راہ راست سے منہ نہیں پھیرا۔

اوصاف کی یہ شرکت ثابت کرتی ہے کہ سکھ لوگ اقوام ہند کے ایسے ہی سید ہیں جیسے مغلوں، پٹھانوں، شیخوں میں سادات بنی فاطمہؑ کا درجہ ہے۔یعنی باعتبار ذات تو ان کو کچھ فوقیت نہیں ہے مگر بلحاظ اعمال و اوصاف وہ ہندوستان کی تمام اقوام میں ممتاز ہیں۔ میرا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ میں سکھوں کو مسلمان ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ یا سیدوں کے برابر ان کو لاکر بنی فاطمہؑ کی توہین مقصود ہے۔

میں خود نسل حضرت فاطمہؓ سے ہوں اور مجھے ان حقوق کا احساس ہے۔ جو عظمت بنی فاطمہؓ کے سبب قدرت نے قائم کئے ہیں۔ میری غرض تو صرف یہ ہے کہ سکھوں کو ان کے سیادت کے اوصاف سناؤں اور کہوں کہ تم کو ہندوستان میں سید القوم اور سردار الملک کی طرح اقوام ہند کی خدمت کرنی چاہئے اور اپنے تاریخی کارناموں کو جو یادگار زمانہ ہیں۔اپنی اولاد تک پہنچانا لازم ہے تا کہ وہ سخاوت، شجاعت، راست بازی اور اتحاد باہمی میں اپنے بزرگوں کے مقلد ثابت ہوں۔۔

☆......○......☆

سب سے بڑی شرکت

سکھوں اورسیدوں میں ایک اور ہے جس کو میں نے مذکورہ بالا باتوں سے الگ اور ممتاز طریقے سے بیان کرنا مناسب سمجھا۔ کیوں کہ وہ تمام وجوہات سے اعلیٰ اور نمایاں ہے اور وہ عقیدہ توحید ہے۔

سادات کے گھر سے توحید کا نشان بلند ہوا تھا سیدوں کے جدامجد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں سب سے زیادہ صاف و بے لاگ توحید کی آواز بلند کی تھی۔

اور ہندوستان کی اقوام میں حضرت گرونانک صاحب نے بھی بالکل اچھوتی اور اسلام کی طرح پاک وصاف ستھری توحید کا نقارہ بجایا تھا جوانشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بجے گا۔

پھرسکھوں اورسیدوں میں کیا فرق رہا۔صرف یہ کہ سید کے نام میں اول سید آتا ہےاورسکھ کے نام میں آخرسنگھ (شیر) آتا ہے۔سکھ بھی سرداراور خادم توحید ہےاورسید بھی سرداراور خادم توحید ہے۔۔

نہ او غیر است نہ تو غیر است

جب دل دونوں کا ایک ہے جب عمل متحدہ ہے جب اصول یکساں ہیں جب اوصاف میں مساوات ہے تو الفاظ کی گردش سابق کے ملکی سیاسی واقعات کی الجھن کب تک ہم دو بھائیوں کو جدار کھے گی؟

اس کی ضرورت نہیں کہ سید اپنے عربی لفظ کو چھوڑ کر سکھ یا سنگھ بن جائیں۔ نہ اس کی خواہش ہے کہ سکھ اپنی ملکی زبان کا نام ترک کر کے عربی سید کہلائیں۔ضرورت اس کی ہے کہ دونوں ملک کے قوت بازواور فدا کار خادم بنیں اور دوئی کی شاخوں کو کاٹ کر پھینک دیں۔

میں کہوں تو سید۔تم کہو تو سکھ۔ میں کہوں تو بھائی۔تم کہو ہاں ہاں تیری اخوت جی کو بھائی اور پھر مل کرنعرۂ لگائیں۔حق اللہ۔ست سری اکال۔۔ ☆......○......☆

ست گرو نانک صاحب

سچے خدا کا سچا ولی توحید کا سمندر حقانیت کا طوطی ہزار داستان پانچ دریاؤں کے ملک میں حواس خمسہ کو شیریں گفتار سے دست وحدت دینے والا 'ست گرو نانک صاحب'۔

سونے چاندی اور ہیرے موتی کی دھوم دھام میں جس نے غریب لوہے کو عزت کا تاج پہنایا ہر چیلے کے ہاتھ میں آہنی کڑا ڈال کر غریب پرست بنایا۔ اس کو ست گرو کیوں نہ کہیں۔ حق وصداقت کی صدا اس کے دہن سے نکال کر آج تک گونج رہی ہے۔

ست گرو کے سکھ کو دیکھو۔ کرپان ہاتھ میں رکھتا ہے۔ نفس و شیطان کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

گرنتھ صاحب ہندوستان کی دل و جان کتاب ہم اس کے پاسبان وہ ہم سب کے لیے نیر درخشاں۔ سری واہ گرو جی کا خالصہ۔ سری واہ گرو جی کی فتح۔ اور ست سری اکال۔ ہندوستان کا پسندیدہ نعرہ ہے۔ اور سکھ جماعت کے گرو صاحب کی عزت تمام اقوام ہندوستان میں تسلیم کی جائے۔

زلفوں والے نانک، آنکھوں والے نانک کی تعلیم بلند ہو کہ اس کی بلندی ہندوستان کے قوائے روحانی کی بلندی ہے۔۔



نانکی قوم میں وحدت

ست گرو بابا نانک صاحب کی تعلیم خالص توحید کی تھی۔ اس کا ثبوت ان لوگوں کے لیے جو سکھ مذہب سے واقف نہیں ہیں۔ احسان ہے وہ سکھوں کے لباس، سکھوں کے چہرے اور سکھوں کے نام میں رنگ وحدت معمولی غور کے بعد معلوم کر سکتے ہیں۔

ہر سکھ کیش (سر کے بال) کنگھا۔ کرد (چھوٹی چھری) کڑا (ہاتھ کا آہنی حلقہ) کچھا (جھانگیہ) پانچ کاف اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہے جن سے سکھ قوم کی یکتائی ثابت ہوتی ہے۔

کوئی سکھ داڑھی نہیں منڈواتا اور نہ کترواتا ہے۔ یہ بھی علامت وحدت کی ہے کیوں کہ قوم ایک شکل کی معلوم ہوتی ہے کوئی سکھ تمباکو کے پاس نہیں جاتا۔ یہ نشان بھی وحدت کا ہے۔ ہر سکھ پگڑی باندھنے پر مجبور ہے۔ اس کے اندر بھی وحدت کا اثر ہے۔اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں سکھ قوم کی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔

ہر سکھ مرد کے نام میں سنگھ کا لفظ ضرور ہوتا ہے اور سکھ عورت کے نام میں کور کا لفظ ہونا ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں سکھ قوم کی یکجہتی کو ظاہر کرتی ہے۔

ان کی کتاب ایک ہی ہے۔ان کے عقائد اصولی میں بھی کچھ زیادہ کثرت نہیں ہے۔اس لیے سکھ قوم کے بانی ست گرو بابا نانک صاحب توحید کے سچے داعی اس ملک ہندوستان میں تھے۔۔



آنکھوں والے نانک

قسم ہے اس عالم فانی کے چشم جبران کی۔قسم ہے سمندری جوش وطوفان کی۔قسم ہے تخم ناتواں کی جو خاک میں منہ چھپا کر چند دن چلہ کرتا ہے۔اور پھر انگڑائی لے کر دید کائنات کے لیے آنکھ کھولتا ہے۔قسم ہے کوئلہ کی جس کی زندگی سوخت ہے۔قسم ہے۔آگ کی جو سراپا سوز ہے۔ نانک آنکھوں والے تھے۔ ان کی دید میں ہمارے واسطے ایک شنید تھی۔ ان کی آنکھ دیکھتی تھی۔ کہتی تھی۔ سنتی تھی۔ وہ ایک ہی وجود سے سب کام لیتے تھے اور ہماری طرح آنکھ۔ کان۔ زبان کی کثرت کے محتاج نہ تھے۔ انہوں نے جو کہا وہی دیکھا اور جو دیکھا وہی کہا۔ ان کی نظروں میں تاثیر تقریر تھی۔ان کی نگاہوں سے ہوش کی تعمیر تھی۔

قرآن شریف میں خدا نے سوال کیا۔ هل یستوی الاعمیٰ والبصیر ۔کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے؟ اروح نے جواب دیا ہوگا۔ اندھے اور دیکھنے والے میں یکساں جان ہے۔ پھر دونوں میں فرق کہاں؟ مگر جب روحیں اس عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوئے ہونگی تو سمجھ میں آیا ہوگا کہ بے شک اندھے اور دیکھنے والے میں بڑا فرق ہے۔

جسم کی نظر آنے والی آنکھ تصویر کھینچنے کا کیمرہ ہے۔ راستہ دکھانے کا وسیلہ ہے۔ لیکن اس کی دید محدود ہے اور مقید و محدود کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ لہذا ظاہر کی آنکھ والے سب اندھے ہیں۔ آنکھ والا وہی ہے جس کی نظر مادیات کی حدود میں سپر نہیں ہے اور جو غیر محدود و غیر محسوس کائنات تک رسائی رکھتی ہے۔

وہ آنکھ سب کو نہیں ملتی جس کو ملتی ہے وہی آنکھوں والا کہلاتا ہے۔ قسم ہے نظر کے خمار ہوش شکن کی۔ قسم ہے نگاہوں کے تیر بے خطا کی۔ قسم ہے ان سنگینوں اور برچھیوں کی جو آنکھوں کے آس پاس پہرہ دیتی ہیں۔ نانک آنکھوں والے تھے ان کی آنکھ دیدار یار کرتی تھی۔ ان کی آنکھ ہر نامعلوم و نامحسوس ہستی کو دیکھتی اور دکھاتی ہے۔

نانک آدمی تھے اور شکل تعین میں تمام ضروریات آدمیت میں مشغول نظر آتے تھے۔ مگر ان کی آنکھ قوائے بشری سے نرالی شان رکھتی تھی۔ وہ ایک ہی آنکھ سے دیکھتے بھی تھے بولتے بھی تھے سنتے بھی تھے۔ اسی آنکھ سے بے شمار آنکھیں مخمور ہوتی تھیں کیوں کہ ان کی آنکھ ایک آتش خانہ تھی۔ نانک کی آنکھ جذبات شیطان کے فنا کرنے میں ایک توپ خانہ تھی۔ وہ توپ خانہ جو جرمنی کی توپوں سے زیادہ طاقت دار تھا کیوں کہ اس سے دل کے قلعے فتح ہوتے تھے۔ مٹی کے قلعے نہیں۔

نانک کی آنکھ سمندر تھی جس کی تہہ میں موتی بکھرے ہوئے تھے وہ جوش میں آتی تھی۔ تو غرور و تکبر کے جہازوں کو پاش پاش کر دیتی تھی اور سکون کی شان دکھاتی تھی۔ تو سب کے بیڑے پار لگ جاتے تھے۔

چشم نانک گرہ شش تھی۔ جس کی کشش پر نظام عالم کا قرار نظر آتا ہے۔اس میں جادو تھا جو لوگوں کو بے خود کر دیتا تھا۔اس میں خشکی تھی جس سے ارواح تسلی پاتی تھیں۔

نانک فطرت الہی کی آنکھ کے تارہ تھے۔جس میں نور محمدیؐ جلوہ فگن تھا۔یہی وجہ تھی کہ انہوں نے رسول عربﷺ کی طرح غیر خدا کی پرستش سے انکار کیا اور مراسم جہالت کو توڑ ڈالا اور کائنات کے ہر ذرہ کو نظر توحید سے دیکھا۔

ایسی نظریں ادب کے قابل ہیں۔پیار کے قابل ہیں۔انسان اپنی سب قابلیتیں ان پر نثار کردے۔اور فدا ہو جائے۔

ذرا سننا نانک بابا کی آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ رہی ہیں۔'نام حق کا ورد کرو۔نیکی کرو۔خیر خیرات کو اپنا شعار بناؤ۔غصہ وغضب سے دور ہو۔جسم کو فانی سمجھو'۔

کیا خوب اشارے ہیں۔آؤ پھر کچھ سنیں۔ان سے پوچھیں کہ کیوں کہ بابا اچھی زندگی تارک کی ہے یا اس کی جو دنیا میں مصروف رہ کر خدا کو یاد کرتا ہے؟ لو جواب ملا۔فرماتے ہیں:

'خانہ داری کی زندگی کو سب پر فضیلت ہے کیوں کہ دنیا دار اگر ورد الہیٰ کرے اور راہ حق میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے تو وہ سب سے افضل ہے'۔

'کنویں کا پانی اگر نکلتا رہے تو صاف اور شیریں رہتا ہے ورنہ خراب اور بدبودار ہو جاتا ہے۔اسی طرح خیرات کرنے سے عزت اور دولت میں ترقی ہوتی ہے'

'انسان کی فضیلت نیکی اور حق شناسی سے ہے اور دنیا دار کی فضیلت یہ ہے کہ نیک چلن ہو۔تارکان دنیا کی حفاظت و خدمت کرے۔اچھی صحبت سے روحانی فیض پائے شیریں کلامی اختیار کرے۔جو کچھ ہاتھ آئے بانٹ کھائے'۔

سبحان اللہ! کیا لیکچر تھا کیا خطبہ تھا کیا الفاظ تھے کیا معانی تھے۔دنیا داروں کو دنیا میں رہنے کا کیا اچھا سبق دیا تھا۔

اب دریافت شروع ہوئی ہے تو لاؤ ذرا اطمینان قلب کا راستہ بھی پوچھ لیں۔خدا نے سب

کچھ دیا ہے۔ مال بھی ہے۔اولاد بھی ہے۔عزت بھی ہے۔مگر دل کو کسی طرح قرار نہیں آتا وہ ہر وقت بے کل رہتا ہے کیوں داتا! ایک نگاہ اس مسئلہ پر بھی ہوگی؟ جی نہایت اداس رہتا ہے۔ کچھ فرمایئے کہ خاطر جمع ہو اور بے کلی سے نجات ملے۔ارشاد ہوا۔

'جو حواس ظاہری و باطنی اور قوائے فاعلی کو لذات محسوسات سے روکتے ہیں۔اور دل میں نام حق کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ وہ سعادت دارین سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔تسلی اور تسکین انہی کو ملتی ہے'۔

'جس طرح پانی کے ڈالنے سے آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی مرشد صادق کے کلام سے نفسانی جوش وخروش فرو ہوتا ہے اور ملک الموت کا خوف نہیں رہتا۔ جو لوگ حق کو پیار کرتے ہیں وہ ہادی برحق سے وصل پاتے ہیں اور قربت الہٰی کا سرور اٹھاتے ہیں''۔

ست سری اکال جو فرمایا حق ہے۔اب بابا سے ذرا عالم اور جاہل کا فرق بھی دریافت کرو ۔کیوں کہ اس مضمون میں یہی مقصود ہے کہ آنکھ والے کی حقیقت معلوم ہوا۔

بابا پیارے! ہم کو بتا کہ عالم اور جاہل میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا:

'عالم ایک تالاب کی مانند ہے۔ جاہل اور متعصب لوگ جو عرفان الہٰی سے بے نصیب ہیں۔مینڈک کیطرح کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہوئے ہیں۔اور عارفان احدیت اس تالاب میں کنول کے پھول ہیں اور طالبان حق بھونرے ہیں۔

'مینڈک کنول کے پاس ہی رہتا ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں کوس دور ہے۔ کیوں کہ کنول کی خوشبو سے بے بہرہ ہے اور بھونرا جنگل میں رہتا ہے مگر چونکہ وہ خوشبو کی لذت اور کنول رس کا شائق ہوتا ہے۔دور سے آکر لطف صحبت اٹھاتا ہے اور تسلی راست پاتا ہے'۔

'جس طرح چکور چاند کو دیکھ کر خوش ہوتی۔ طالبان صادق ہادی برحق کی زیارت سے سرور پاتے ہیں۔اندرائن کے پھل کو شیر وشکر سے بویا جائے تو بھی وہ کبھی میٹھا پھل نہیں دے گا۔اسی طرح سیاہ دل کو باطن کو کلام روحانی خواہ وہ آب حیات کی خاصیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو

۔کبھی فیض نہیں پہنچا سکتا'۔

'اگر تم دل رغبت اور محبت سے طالب ہو کر کلام حق سنو گے اور نیک اعمال میں مصروف رہو گے تو تم عالم ہو اور تم کو نجات ہے۔ ورنہ جاہل رہو گے اور تمہارا انجام خراب ہے'۔

ارے ان باتوں کو سن کر ایک بات خوب یاد آئی۔ آؤ ذرا وہ بھی معلوم کرلیں کہ یہ جو دنیا میں شکلوں اور صورتوں کی تعظیم ہوتی ہے اور مخلوق خدا کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک کہتا ہے یہ بت پرستی ہے دوسرا کہتا ہے یہ سب ذات خدا کی اشکال ہیں۔ اور ہم ان صورتوں میں اسی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ آؤ پوچھیں کہ ہمارا آنکھوں والا نانک اس پر کیا فرماتا ہے۔

کیوں گرو بابا اس میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

'ہم نرنکاری ہیں (یعنے بے شکل خدا کے پجاری) اور نرنکار نے ہمارے تمام بندھن کاٹ دیئے ہیں۔ ہر قسم کی قیود وہمی اور باطل خیالات سے آزاد ہیں۔ ہمارا ٹھاکر وہی نرنکار ہے۔ یعنی اس کی کوئی شکل و صورت نہیں جو لوگ ساکار بناتے ہیں۔ ہم ان کو راہ راست پر نہیں جانتے'۔

'بغیر شکل و صورت قائم کیئے اس کی دید ناممکن ہے۔ وہ عرش سے فرش تک ہر ذرہ میں رم رہا ہے۔

مرشد مصادق کی خدمت کرو گے تو اس کی دید میسر آجائے گی۔

بس بابا۔ جان لیا۔ پہچان لیا۔ اب مانتے ہیں کوئی عذر نہیں۔ آنکھوں والے تیری آنکھوں کے قربان۔ جنھوں نے مولا کی راہ دکھائی۔ اب بتا کہ ہم کیوں کر ان بھٹکے ہوئے نادانوں کو سمجھائیں۔ جو تیری پاک اور سیدھی طریقت کے اپنے نفسانی خیالات سے آلودہ کرتے ہیں۔ اور تیرے سکھ دھرم پر جو سکھ سے بھرپور ہے۔ طعن کی زبان کھولتے ہیں۔

تو سچا۔ تیری زبان سچی۔ تیری آنکھ سچی اور اس کی دید سچی۔ باقی جھوٹا سب سنسار۔۔

☆......☆......☆

زلفوں والے نانک

بے شمار کانوں نے سنا۔ لاتعداد آنکھوں نے دیکھا۔ ان گنت دلوں اور دماغوں نے سمجھا کہ حضرت گرونانک صاحب کے عارفانہ کلام میں کیسی شیرینی ہے۔ ٹھنڈک ہے اور سرور و اطمینان ہے۔ پنجاب کہتا ہے میں پانچ دریاؤں سے سیراب ہوتا ہوں۔ مگر دریا بولے۔ ہم سے زیادہ تر و تازگی اس انسان کی باتوں میں ہے جس کا نام نانک تھا اور جو ظاہر و باطن کے حواس خمسہ کو سیراب کرنے آیا تھا۔ پنجاب نہ بھول وہ تیری خشک خاک سے نمودار ہوا تھا۔

دل کی آنکھ کا نام بصیرت ہے۔ جسم کی آنکھ کو بصارت کہتے ہیں۔ بصیرت پنجاب میں گزری تو نانکی میکدہ کے جام سے سرشار و مخمور ہوگئی۔ بصارت حسرت و یاس میں کھڑی دیکھتی رہی۔ آخر اس نے نانک کی زلفوں کو اپنی پلکوں نے دراز گیسوؤں کو چوم کر پوچھا۔ تم اس نورانی دماغ پر کب سے ہو؟ کیوں ہو؟ زلف بولی۔ اپنی ہستی پر غور کر۔ میرا راز خود بخود ظاہر ہوجائے گا۔ پلک جھپکی اور اس نے اپنے وجود کا مطالعہ شروع کیا۔۔

اس نے سوچا۔ روشن آنکھ کے کنارے مجھے کیوں کھڑا کیا گیا ہے۔ دل نے بتایا۔ اپنی ٹیڑھی نوکوں کو دیکھ دنیا کے گرد و غبار اور اعدادئے انوار کی حفاظت کے لیے تجھ کو مقرر کیا گیا ہے۔ تجھ کو ایک بے قراری ملی ہے تاکہ تو ہر سکنڈ میں ایک بار جھپکے اور بیرونی دشمنوں کو نور چشم پر حملہ نہ کرنے دے۔

پلکوں نے زلف سے کہا۔ میرا دل تو صرف فلسفیانہ وجہ بتا سکا۔ تو مجھے کچھ اور بتا کہ قرار نصیب ہو۔ زلف نے جواب دیا۔ ہر چیز کی شناخت اس کی ضد اور عکس سے ہوتی ہے۔ گرمی و تپش خنکی و کنی کا پتہ بتاتی ہے۔ پیاس پانی تک لیجاتی ہے۔ کانٹا پھول کی جانب اشارہ کرتا ہے اندھیرا روشنی کی ضرورت کو نمودار کرتا ہے۔ اس لیے قدرت نے جسم انسان کے ہر اس حصہ پر جہاں ذات الٰہی کے مخفی انوار پوشیدہ ہیں۔ کالے بالوں کے نشان لگادیئے ہیں تاکہ ظلمات کے سایہ میں آب حیات کی تلاش کی جائے۔

زلف و پلک کی باتوں میں نور دیدہ کو آگے بڑھنے کی فرصت ملی اور اس نے نانک بابا کی نظروں پر اپنا وجود صدقے کر کے پوچھا۔ ست گرو۔ اپنی کاکلوں کا بھید بتا۔ بابا کی بھگت نواز نگاہوں نے چشم مشتاق سے کچھ مخفی اشارے کئے۔ جن سے وہ تڑپ گئی اور آنسوؤں کی چادر میں منہ لپیٹ کر بے ہوش ہوگئی۔

عقل و دانش کے سر پر تلواریں کھچ گئیں اور پکارنے والے نے کہا۔ یہ کوچہ دوسرا ہے ۔ یہاں ادب ومحبت کے دماغ رسائی پاتے ہیں اور عقل غرور کے متوالے ذلیل ورسوا ہوتے ہیں ۔

تو نے نہیں سنا۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی لمبے بال سر پر رکھتے تھے ۔ ان کے روحانی نائب و جانشین حضرت مولیٰ علیؓ بھی گیسو دراز تھے ۔ اور خاندان نبوت کے چشم و چراغ، حضرت امام حسنؓ کے شانوں پر بھی کاکلوں کی پیاری لٹیں لٹکا کرتی تھیں اور مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے روحانی پیشوا بھی عموماً زلف درازی کے عامل تھے ۔

دوسری طرف نظر اٹھا۔ یونان میں جا۔ اور اس کے فلسفیوں حکیموں اور ارباب روحانیت کو دیکھ۔ اکثر زلف دراز نظر آئیں گے ۔ ہندوؤں کے قدیمی زمانہ کے پرانے بت خانوں کی تصویروں میں دیکھ۔ سب کے سروں پر بالوں کا جوڑا نظر آئے گا۔

مصر میں ہزاروں برس پہلے کی تصویروں پر نظر ڈال یہ جلوہ وہاں بھی دکھائی دے گا۔

خود اس یورپ کے بزرگوں کو سامنے لا ۔ جس کی اولاد داڑھی مونچھ کا صفایا حسن مردانگی تصور کرتی ہے وہ بھی اکثر لمبے بال رکھتے تھے ۔ آدمی جس فطرت پر پیدا ہوتا ہے ۔ تو اس کا مقابلہ نہ کر۔ اور فطرتی بالوں کو سنبھال اور غیب کی برقی لہروں کے تار نہ کاٹ ۔

اس آواز کو سن کر میں نے کہا۔ میرا اس پر یقین ہے ۔ مگر اے پکارنے والے مجھ کو دنیا کی دلیلوں میں نہ ڈال ۔ ست گرو کی زلفوں تک کیونکر پہنچتے ہیں اس کا راستہ بتا ۔ بصارت بے ہوش ہوگئی ۔ بصیرت خاموش ہوگئی ۔ عقل و خرد کے سر کاٹ ڈالے گئے ۔ اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ نانکی زلف کی خوشبو کس طرح حاصل ہوتی ہے ۔ مجھے بتا کہ میں اسے پاؤں ۔

کیا بات صاف ہے ۔ تجلیاں برقی ہوں یا روحانی ۔ سلسلہ کے طلب گار ہیں ۔ اس میدان کا سلسلہ محبت ہے ۔ اگر تو نانکی فیض کا طالب ہے تو اس عشق کو اختیار کر جس کے فروغ میں ست گرو نانک نے بال بڑھائے ۔ مقدس مسیحؑ نے بال بڑھائے ۔ پاکیزہ زرتشتؑ نے بال بڑھائے ۔ عشق کی زلفیں منزل جاناں کا پتہ بتاتی ہیں ۔ اس زنجیر کو پاؤں میں ڈال ۔ ہاتھ میں ڈال گلے میں پہن اور دل کو بھی اس میں اسیر کر۔ تا کہ تسلی ،اطمینان ،سرور ابد اور شانتی نصیب ہو۔۔

☆......○......☆